مولانا عبد العلی فاروقی

مکتبہ البدر کاکوری لکھنؤ

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ

عورت

اور

پردہ

اسلامی نقطۂ نگاہ سے عورت کی زندگی کا ایک سرسری جائزہ
نیز پردہ کی ضرورت پر ٹھوس دلائل

تصنیف
مولانا عبدالعلی فاروقی

ناشر: مکتبہ البدر، کاکوری لکھنؤ

پہلی بار	ایک ہزار	فروری ۱۹۷۰ء
دوسری بار	دو ہزار	جولائی ۱۹۷۸ء
تیسری بار	دو ہزار	فروری ۱۹۸۲ء
چوتھی بار	دو ہزار	جنوری ۱۹۸۶ء
پانچویں بار	ایک ہزار	جولائی ۱۹۸۹ء
چھٹی بار	دو ہزار	اگست ۱۹۹۵ء

قیمت روپئے

کاتب: الیاس لکھنؤ

ملنے کا پتہ:

مکتبہ البدر کاکوری لکھنؤ ۲۲۷۱۰۷

ترتیب

عرضِ ناشر

خدا کے فضل و کرم اور آپ حضرات کے تعاون سے "عورت اور پردہ" کا یہ چھٹا ایڈیشن ہم شائع کر رہے ہیں "عورت اور پردہ" حضرت مولانا عبدالعلی صاحب فاروقی مُدیر "البدر" کاکوری کی وہ تصنیف ہے جس میں موصوف نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں، عورت کے مقام، اس کے حقوق اور پردہ کی ضرورت و حکمت کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ آزادیٔ نسواں اور پردہ وغیرہ کے بارے میں "آزاد خیال" طبقہ کی طرف سے اُٹھائے گئے اعتراضات کے مدلّل اور شافی جوابات بھی عقل و نقل کی روشنی میں دیئے ہیں، نیز مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کی بالاتری ثابت کی ہے۔

کتاب کی مقبولیت کی سند کے لئے یہ کافی ہے کہ ہم اس کتاب کا چھٹا ایڈیشن تھوڑے ہی عرصہ میں شائع کر رہے ہیں۔ اس ایڈیشن میں ہم نے کتابت و طباعت، کا خصوصی اہتمام کیا ہے اور پچھلے ایڈیشنوں کی کمیوں کی تلافی کی کوشش کی ہے امید ہے کہ قارئین ہماری ان کوششوں کو پسند کرتے ہوئے ہماری حوصلہ افزائی کریں گے اور اپنا تعاون برقرار رکھیں گے۔

یکم اگست ۱۹۹۵ء

منیجر مکتبہ البدر، کاکوری۔ لکھنؤ

بنام

ام المومنین عفت مآب سیدہ عالم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

انتساب

ایک گدائے بے نوا کا حقیر سا نذرانہ
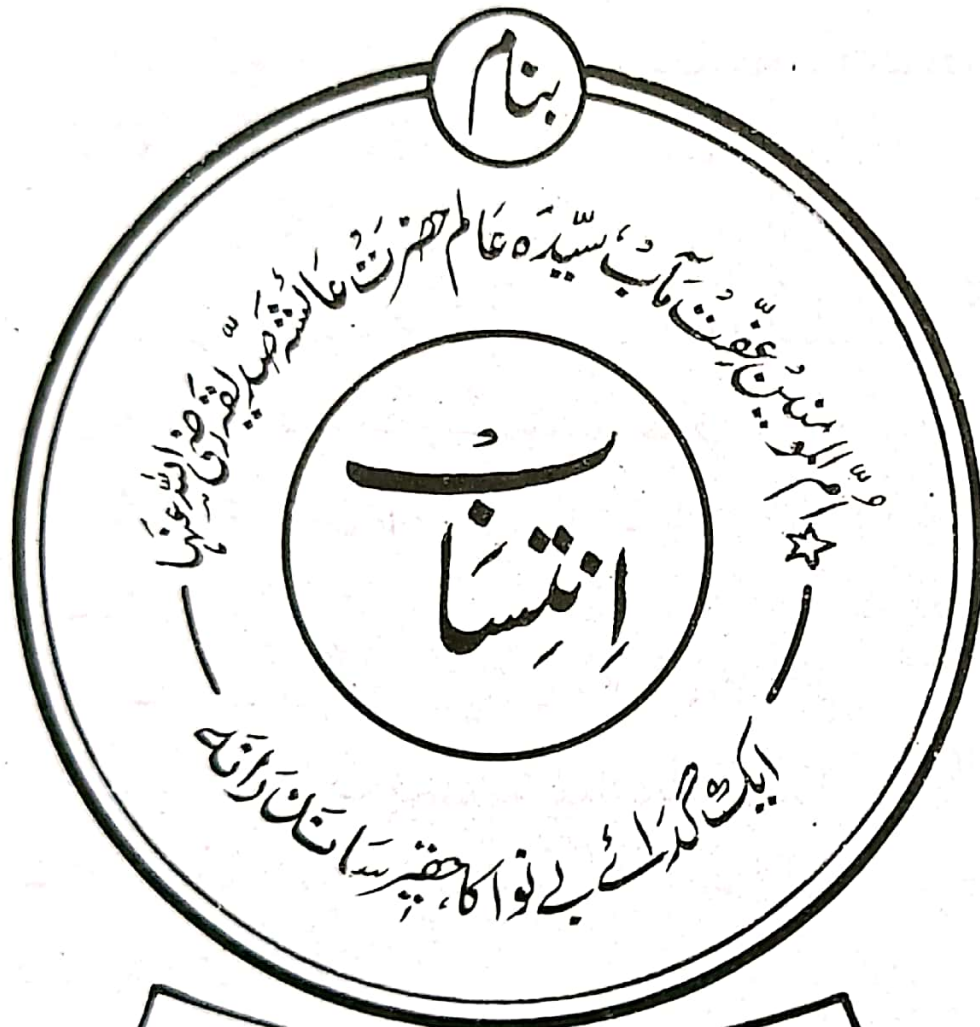
گر قبول افتد زہے عز و شرف

عبد العلی فاروقی

پیش لفظ

کارسازِ عالم نے آدم کی تخلیق کے کچھ ہی دن بعد آدم کی پسلی سے حوّا کو تخلیق کیا، تاکہ آدم ان سے دل بستگی حاصل کرسکیں، گویا خالقِ کائنات نے عورت اور مرد کو، ایک دوسرے کے لئے سکون وراحت کا ذریعہ بنا کر بھیجا۔

مگر یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ عورت باوجود مرد کے مساوی ہونے کے ہمیشہ تختۂ مشق بنی رہی، روز روز نئے تجربات کئے جاتے رہے اور اسے اسی سانچے میں ڈھالا جاتا رہا کبھی اُسے موت سے زیادہ تلخ قرار دیا جاتا رہا، اور کبھی کہا گیا کہ انسان کون ہے جو پاک ہو سکے اور عورت کے بطن سے پیدا ہوا اور کبھی موت، زہر، زہریلے سانپ، طوفان ہر چیز سے زاید اسے مہلک قرار دیا گیا۔ اس پر ایک دور ایسا بھی گذرا کہ جب ان کے وجود کا برداشت کرنا مشکل تھا۔ باپ اپنی بیٹی کو آہوں اور فریادوں کے باوجود اپنے ہاتھوں سے دفن کر دیتا تھا۔ اسلام آیا اور اس نے آنے کے بعد ان تمام اصولوں اور ضابطوں کو توڑ کر عورت کو اس کا فطری حق دیا۔ آزادی دی، سکون وراحت دیا، اور دو دائرے بنا کر کہا کہ ایک میں مرد رہے، ایک میں عورت، ایسے دائرے جن سے تجاوز کرنے کی صورت میں عورت اور مرد دونوں کو تباہی ہو اور جن میں رہنے سے دونوں کو ابدی سکون میسر ہو۔

عورت کی زندگی ایک دفعہ سنبھل گئی اور دنیا نے جانا کہ عورت بھی مرد ہی کی

طرح خالقِ عالم کی تخلیق کا ایک بہترین نمونہ ہے، اس کے بھی کچھ حقوق ہیں، جنھیں ادا کرنا ضروری ہے۔

مگر اس دشمن کو کیسے گوارا ہو سکتا تھا جو اُسے حقیر سے حقیر دیکھنے کا خواہشمند ہو۔ چنانچہ آج پھر عورت کی زندگی اور اس کی ذات ایک معمّہ بنی ہوئی ہے، اس کو حقوق دینے والے اس کو سکون و راحت بہم پہنچانے والے نظام "اسلام" کا مذاق اُڑانے کی ناپاک کوشش کی جارہی ہے اور مقامِ صد حیف یہ ہے کہ عورت خود اپنے ہاتھوں فریب کھا رہی ہے اور اپنے دشمن کو نہیں پہچان پا رہی ہے، اُسے وہ دوست سمجھ کر اس کی ہاں میں ہاں ملا رہی ہے اور اپنے وجود کو برابر خطرات میں گھیرتی جارہی ہے۔

اسلام نے عورت کو کیا دیا، ہم نے "نئی روشنی" سے متاثّر افراد کے اس سوال کا اجمالی مگر قابلِ اطمینان جواب اس کتابچہ میں دیا ہے۔ ساتھ ہی "پردہ" کی ضرورت اور "بے پردگی" کے نقصانات کا بھی سرسری جائزہ لیا ہے۔

اگر اس کتابچہ پر انصاف کے ساتھ "نئی روشنی" سے متاثر مسلمان غور کریں گے تو مجھے اُمّید ہے کہ انشاء اللہ ان کی آنکھیں کھُل جائیں گی اور وہ خود اسلامی تعلیمات کی حقانیت کا اعتراف کرلیں گے، اور اسی امید کے ساتھ یہ کتابچہ پیش بھی کیا جارہا ہے کہ ؏

شاید کہ ترے دل میں اُتر جائے مری بات

عبد العلی فاروقی

دیوبند ——— ۱۱ فروری ۱۹۷۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقصدِ تصنیف

اسلام کے متعلق مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک عالمگیر مذہب ہے۔ اسلام نے ایک مکمل اصول وضابطہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے جس میں ہر نوع، ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنے اور ان کے ساتھ برتاؤ کرنے کا سلیقہ سکھایا گیا ہے۔ مومن کسی جگہ اور زندگی کے کسی بھی مرحلے پر غیر کا منھ نہیں دیکھ سکتا۔ اسلامی تعلیمات خود اپنے اندر اتنی جامعیت رکھتی ہیں کہ ایک مومن ان پر چل کر دین و دنیا کی تمام خوبیوں کو جمع کر سکتا ہے۔ مگر آج مسلمانوں سے یہ سوال کیا جا رہا ہے کہ اسلام نے عورت کو کیا مقام دیا، عورت کو مقید کر لیا، اس کی آزادیاں چھین لیں اور اسے جانوروں کا درجہ دے دیا، فحاشی اور عریانیت کو آزادی اور حقوق سے تعبیر کر کے اسلامی تعلیمات کو چیلنج کیا جا رہا ہے۔

ہم سب سے پہلے اس بات کو پیش کریں گے کہ اسلام جس وقت دنیا میں ظاہر ہوا، اُس وقت دنیا کے مشہور مذاہب کا عورت کے متعلق کیا فیصلہ تھا اور پھر یہ بتائیں گے کہ اسلام نے ان فیصلوں میں کس طرح ترمیم کی اور عورت کو کس طرح بلندی عطا کی اور اسلام کے بنا کردہ اصول عورت کے لئے کتنے مفید ہیں۔

عورت عیسائیت کی نظر میں

ملّتِ عیسائیت کا فیصلہ ہے کہ نہ عورت پاک ہے نہ مرد، بلکہ ہر انسان کے ساتھ گناہ وراثتاً منتقل ہوتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ عورت کے متعلق کتاب مقدس میں بقول مصنّف تمدن عرب[۱] اس بات کی تصریح موجود ہے کہ عورت موت سے زیادہ تلخ ہے، جو کوئی خدا کا پیارا ہے، وہ اپنے کو عورت سے بچائے گا، ہزار آدمیوں میں میں نے ایک خدا کا پیارا پایا ہے۔ مگر تمام عالم کی عورتوں میں ایک عورت بھی ایسی نہیں جو خدا کی پیاری ہو[۲]۔

عورت ایک ایسی گھناؤنی اور قابلِ خوف چیز ہے جس سے ملنا جلنا اس کے ساتھ زندگی گزارنا کسی حال میں روا نہیں کیونکہ خدا کا پیار اُسے حاصل نہیں۔ جسے خدا کا پیار محبوب ہو گا وہ اس سے کنارہ کش رہنے میں اپنے لئے عافیت سمجھے گا۔

عورت یہودیت کی نظر میں

ملّت یہود کی مقدس کتابوں کا عورت کے متعلق یہ فیصلہ ہے، کون ہے جو ناپاک سے پاک نکالے؟ کوئی نہیں۔

انسان کون ہے جو پاک ہو سکے اور وہ عورت سے پیدا ہو؟ کیا ہے کہ صادق ٹھہرے[۲]؟

۱۔ اسلام میں عورت کا مقام، بحوالہ تمدن عرب ۱۲ ۔ ۲۔ اسلام میں عورت کا مقام بحوالہ الواب باب ۱۴ : ۱۵

یعنی ملّت یہود کے نزدیک بھی عورت ایک ناقابلِ اعتماد چیز ہے اس لئے کہ انسان صرف عورت کی ذات سے تباہ و برباد ہوتا ہے کیونکہ کتابِ مقدّس کی تصریح موجود ہے کہ انسان صرف اس وجہ سے پاک نہیں ہو سکتا کہ وہ عورت سے پیدا ہے۔ اور عورت ہمہ تن ناپاک ہے اور ناپاک سے پاک نہیں نکل سکتا۔ عورت در حقیقت معاملہ سے عاری ہوتی ہے کیونکہ جو اس سے پیدا ہوتا ہے وہ اس جوہر سے خالی ہوتا ہے۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک وہ ذات جو اپنے بطن سے جنم دے کر انسان کی زندگی پر ہمیشہ کے لئے ناپاکی کا دھبّہ لگائے وہ ناقابلِ معافی ہے۔

عورت
ملّتِ ہنود کی نظر میں

مصنّفِ تمدنِ عرب کے لکھنے کے مطابق ہندو قانون کا عورت کے متعلّق یہ فیصلہ ہے تقدیر، طوفان، موت، جہنم، زہر، زہریلے سانپ' ان میں سے کوئی چیز اس قدر خراب نہیں جتنی عورت ہے[۱]۔ مشرقی جو بالطبع کسی قدر فلسفی بھی ہیں، خیال کرتے ہیں کہ عورت کی فطرت میں ایسے ہی بے وفائی ہے، جیسے چڑیا کی فطرت میں اُڑنا۔

گویا ملّتِ ہنود کا فیصلہ سب سے سخت ہوا کہ دنیا کی تمام بدترین اشیاء بھی عورت کی بدتری کا مقابلہ نہیں کر سکتیں اور دنیا کی تمام مہلکہ اشیاء عورت کی ہلاکت کے

---

[۱] اسلام میں عورت کا مقام، بحوالہ تمدّنِ عرب ۱۲

سامنے ہیچ ہیں، اس لئے اجتناب ہر ذی ہوش کے لئے ضروری ہوا، کیونکہ تقاضائے عافیت یہی ہے۔

عورت مُشرکینِ مکّہ کی نظر میں

مشرکین مکہ کا سلوک عورت کے ساتھ ان سب سے زائد سخت اور بہیمانہ تھا وہ عورت کے وجود کو بھی برداشت کرنے کے لئے تیّار نہ تھے، چنانچہ جب کسی گھر میں بچّی پیدا ہوتی تو ماں کی فطری محبّت اور رکاوٹ کے باوجود باپ خود اپنے ہاتھوں اُسے زندہ درگور کر دیتا۔ اور اگر اکّا دُکّا اتفاقیہ بچ جاتی تو اس کی زندگی کو جیتے جی جہنّم بنا دیا جاتا اور ان کے اپنے اوپر حقوق سمجھنا تو بہت دُور کی چیز تھی، ان سے ڈھنگ سے بات کرنا بھی انھیں گوارا نہ تھا، ان کی فطری اور پیدائشی کمزوریوں پر انھیں زدوکوب کرتے چنانچہ انھیں وحشی اور درندہ صفت انسانوں نے اسلام کی لڑی میں جب اپنے کو پرو دیا اور حضور علیہ السلام کی مصاحبت نصیب ہوئی تو اپنے اس ظالمانہ سلوک کو یاد کر کے ایسے آنسو بہاتے کہ داڑھیاں تر ہو جاتیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ جاہلیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، ہم لوگ عورت کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے جب اسلام کا ظہور ہوا اور اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا ذکر کیا تو ہم نے سمجھا کہ ہم پر عورتوں کا حق ہے۔

ایک عرب سردار نے اپنا واقعہ حضورؐ کے سامنے یوں بیان کیا کہ میرے گھر میں بچّی

پیدا ہوئی، اتفاق سے میں اس وقت سفر میں تھا، میری بیوی نے میرے ڈر سے بچّی کو اپنی بہن کے گھر بھیج دیا اور جب میں واپس آیا تو اس نے مجھ سے کہہ دیا کہ مرا ہوا بچہ پیدا ہوا تھا، میں یہ سن کر خاموش ہو گیا، بات آئی گئی ہو گئی ——— میری عدم موجودگی میں ایک دن بچی اپنی ماں سے ملنے آئی، اتفاق سے میں بھی آ گیا، اُسے دیکھ کر میں نے پوچھا یہ کس کی بچّی ہے؟ ——— چونکہ اس وقت میری آنکھوں میں پیار تھا اور میں بچی کو محبّت پاش نظروں سے دیکھ رہا تھا، اس لئے ماں نے یہ سمجھ کر کہ میں فطری لگاؤ سے مجبور ہو گیا ہوں مجھے پورا واقعہ بتا دیا، میں بھی اس وقت کچھ ایسا مغلوب الحال تھا کہ بچّی کو اپنے گھر رہنے کی اجازت دے دی۔!

لیکن ایک دن غیرتِ جاہلیت نے مجبور کر دیا اور میں بہانہ بنا کر بچّی کو جنگل کی طرف لے کر چل دیا اور وہاں پہنچ کر ایک گڑھا کھودنے لگا، کھودتے وقت جو مٹی میرے کپڑوں پر پڑتی، بچّی اپنے معصوم ہاتھوں سے جھاڑ دیتی، جب گڑھا تیّار ہو گیا تو بچی کو میں نے اس میں کھڑا کر دیا اور اس پر مٹی ڈالنا شروع کر دی، بچّی محبّت بھری نگاہوں سے دیکھتی جاتی' اور دردناک آواز میں 'اے میرے باپ' 'اے میرے باپ' پکارتی جاتی۔ وہ چلّا رہی تھی کہ اے میرے ابّا کیا تم مجھے تنہا یہاں چھوڑ کر چلے جاؤ گے، میرے ابّا بتاؤ کیا تم کر رہے ہو! ——— مگر میں نے اپنے کام میں تاخیر نہ کی اور اس کو اسی طرح دفن کر کے واپس گھر چلا آیا۔

یہ واقعہ سن کر رحمۃ اللعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں، اور بے اختیار یہ جملے زبان مبارک سے نکلے: وَاللہ انّ ذٰلک لقسوۃ من لا یرحم لا یرحم (خدا کی قسم یہ بہت بڑی قساوت اور سخت دلی ہے جو دوسروں پر رحم نہیں کرے گا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔)

عورت
اسلام کی نظر میں

عین اس وقت جب عورت اس طرح مظالم کا شکار ہو رہی تھی اور اسکی حیثیت بالکل فنا ہو گئی تھی، خداوند کریم کی رحمت کاملہ کو جوش آیا اور اس نے ایک مکمل ضابطہ اور نظام دے کر نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں مبعوث فرمایا اور اس نظام کا نام اسلام رکھا۔

تمام مذاہب کے خلاف اسلام نے آنے کے بعد عورت کو مقام خاص عطا کیا اور وہ مرد جو اپنے مقابلے پر عورت کو ایک حقیر چیز سے بھی کم سمجھتا تھا اسی سے کہدیا کہ تمہارے لئے مرد ہونا کوئی باعث افتخار نہیں اور عورت کے لئے عورت ہونا باعث تحقیر نہیں، چنانچہ اعلان ہوا، اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (ترجمہ) ہم نے تم کو مرد و عورت کے ملاپ سے پیدا کیا اور تم کو خاندانوں اور قبائل میں بانٹ دیا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

یعنی اس آیت میں یہ بات بتائی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت دونوں کو ایک ہی طریقہ سے پیدا فرمایا ہے، پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم میں سے ایک دوسرے پر کوئی بھی باعتبار خلقت کے فخر کرے، البتہ اگر فخر کی بات کوئی ہو سکتی ہے تو وہ پرہیزگاری ہے۔

دوسری جگہ قرآن مجید نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے: خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ

اللہ تعالیٰ نے تم سب کو ایک ذات سے پیدا کیا) اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم آپس میں
میل و محبّت سے رہو اور کسی قسم کا امتیاز نہ برتو۔ چنانچہ مَردوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا
هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (عورتیں تمہارے لباس ہیں اور تم ان کے
لباس ہو) مطلب یہ ہے کہ جس طریقہ سے خوشی اور غمی کسی موقع پر لباس تن سے جدا نہیں
کیا جاتا اسی طرح تم دونوں بھی ایک دوسرے سے جدا کرنے کی چیز نہیں ہو۔ خوشی و رحمت
غم و آلام ہر موقع پر تم ایک دوسرے کیلئے تسکین خاطر کا سامان ہو، چنانچہ اسی مفہوم کو
دوسری جگہ یوں بیان کیا گیا خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا
وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (خداوند تعالیٰ نے تم ہی میں سے تمہارے لئے بیویاں
پیدا کیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرسکو اور خدا نے تمہارے درمیان محبّت اور رحمت
پیدا کر دی ہے) اس جگہ یہ بتایا گیا ہے کہ تم دونوں (عورت مرد) کے درمیان اللہ تعالےٰ
نے محبّت اور رحم رکھ دیا ہے۔

دوسری اور اہم بات یہ بتائی گئی ہے کہ عورتوں کو پیدا ہی اسی لئے کیا گیا ہے کہ مرد
اُن سے سکون حاصل کر سکیں، اور دنیا کے ہر شخص کو معلوم ہے کہ سکون ایک ایسی چیز ہے کہ
جسے یہ مل گیا وہ دنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہے

اسلام میں عورت کے حقوق

دنیا کے مشہور مذاہب کی عورت کے متعلق جو رائے تھی وہ آپ نے ملاحظہ کی مجموعی
طور پر بقول مصنف تمدن عرب ہندو، یونانی، رومی اور اقوام حال کے کل قوانین نے عورت
کو لونڈی، طفل نابالغ تصور کیا ہے۔

منو کا کہنا ہے کہ عورت صغر سنی میں باپ کی مطیع ہے اور جوانی میں شوہر کی شوہر کے بعد اپنے بیٹوں کی، اگر بیٹے نہ ہوں تو اپنے اقربا کی۔ کیونکہ کوئی عورت اس لائق نہیں ہے کہ خود مختار زندگی بسر کر سکے۔

یونانی اور رُومی قانون بھی قریب قریب ایسے ہی ہیں۔

رُوم میں مرد کی حکومت اپنی بیوی پر جابرانہ تھی، عورت ایک لونڈی کی حیثیت رکھتی تھی جس کا کوئی حصّہ معاشرہ میں نہ تھا، سوائے شوہر کے کوئی اس کے افعال کا فیصلہ کرنے والا نہ تھا اور شوہر کو پورا حق اس کی جان پر حاصل تھا

قانونِ یونان میں عورتوں کی حالت اس سے بہتر نہ تھی لہ، اس کے مقابلے پر اسلام نے عورت کی زندگی کو بہتر اعتبار سے سنوارا، اور اس کے حقوق باقاعدہ طور پر تسلیم کئے، اور مردہی کی طرح عورت کو معاشرہ کے ایک آزاد فرد کی حیثیت دلائی، چنانچہ وہ عورت جس کا معاشرت میں کوئی حصّہ نہ تھا، تجارت، سیاست، نکاح، خلع، وراثت تمام چیزوں کی حقدار ہوگئی۔

عورت اور تجارت

اسلام نے جس طرح مرد کو تجارت کی آزادی بخشی ہے، اسی طرح عورت بھی تجارت کے سلسلے میں آزاد ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جو ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں ان کی ادائگی کے ساتھ ساتھ تجارت کرے، ایسا نہ ہو کہ تجارت کے چکر میں پڑ کر وہ اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہو جائے۔ مثلاً اس پر شوہر کے حقوق ہیں، بچوں کے

لہ اسلام میں عورت کا مقام، بحوالہ تمدن عرب ص ۳۷۳-۳۷۴

حقوق ہیں، اب ان حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اگر وہ تجارت کر سکتی ہے تو کرے اسلام نے اس سلسلہ میں اس کو آزادی بخشی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں سب سے بڑا نمونہ ہمارے لئے ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی ذات گرامی ہے کہ انھوں نے تجارت کی اور وہ بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شرکت میں، اگرچہ حضورؐ نے حضرت خدیجہؓ کی شرکت میں اعلانِ نبوّت سے پہلے تجارت کی ہے مگر آپؐ کی تو پوری زندگی رہنما کی حیثیت رکھتی ہے جس سے یہ بات پوری طرح ثابت ہوتی ہے کہ حضورؐ نے کسی عورت کے ساتھ بذاتِ خود تجارت کر کے یہ بتایا کہ عورت کو تجارت کرنے کی پوری آزادی حاصل ہے۔

عورت اور سیاست

دنیا کے کسی بھی مذہب سے پہلے اسلام نے عورت کو ملکی اور عالمی سیاست میں دخل دینے کی اجازت دی، چنانچہ آج بھی عورت شرعی حدود کی پابند رہ کر سیاست میں اسلامی نقطۂ نظر سے حصّہ لے سکتی ہے، جیسا کہ عہدِ رسالت میں عورتوں سے بھی سیاسی معاملات میں مشورہ لیا جاتا تھا۔ اور وہ مشورہ دیتی تھیں، کفار کو اگر مسلمان عورتیں پناہ دیتی تھیں تو حضورؐ اس کو برقرار رکھتے تھے۔ اس طرح مجرمین کی سزا و جزا کے معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیتی تھیں اور حضورؐ ان کے مشوروں کو قبول کرتے۔

جہاد اگرچہ عورتوں پر فرض نہیں تھا، مگر عورتیں از خود جوش دینی کے جذبہ سے سرشار ہو کر اگر جہاد میں شرکت کرتی تھیں تو حضورؐ ان کو اجازت دیتے تھے، چنانچہ غزوہ احد میں بہت سی مسلمان عورتوں نے شرکت کی اور زخمیوں کو پانی پلانے، زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے

اور مجاہدین اسلام کی حوصلہ افزائی کرنے کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔ ان ہی خوش نصیب عورتوں میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ، حضرت ام سلیمؓ، حضرت ام سلیطؓ، حضرت ام عمارہؓ بھی تھیں، بلکہ آخر الذکر محترمہ یعنی ام عمارہؓ نے تو ایسے وقت میں مورچہ لیا جو بہت ہی نازک وقت تھا، چنانچہ کافروں نے مسلمانوں کو مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف دیکھ کر جب پیچھے سے حملہ کیا تو مسلمان غافل تھے، اس ناگہانی حملہ سے مسلمانوں میں گھبراہٹ اور سراسیمگی پیدا ہو گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف چند مسلمانوں کے ساتھ رہ گئے، جب یہ منظر حضرت ام عمارہؓ کی نظر کے سامنے آیا تو تاب نہ لاسکیں اور اپنی جان ہتھیلی پر لے کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گئیں اور حضورؐ کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ جب کفار حضورؐ پر حملہ کرنے کی کوشش کرتے تو یہ تلوار اور ڈھال سے اس کی مدافعت کرتیں چنانچہ اسی سلسلہ میں آپ کے شانے پر گہرا زخم لگا، جس سے گھاؤ پڑ گیا۔

حضرت ام سلیمؓ تو حضورؐ کے ساتھ برابر غزوات میں شرکت کرتیں، چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُوْ بِاُمِّ سُلَيْمٍ وَنِسْوَةٍ مِنَ الْاَنْصَارِ مَعَهُ اِذَا غَزَا فَيَسْقِيْنَ الْمَاءَ

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوات میں شرکت فرماتے تو ام سلیمؓ بھی ساتھ ہوتیں اور انصار کی عورتیں بھی آپ کے ساتھ جاتیں جو زخمیوں کو پانی پلاتیں اور مرہم پٹی کرتیں)[1]

اسی طرح حضرت صفیہؓ، حضرت ربیعؓ بنت مسعودؓ، حضرت ام عطیہؓ ان تمام صحابیات کا حضورؐ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونا ثابت ہے۔

یہ سلسلہ حضورؐ کے بعد خلفائے راشدینؓ کے دور میں بھی جاری رہا، اور عورتیں ملکی

---

[1] اسلام میں عورت کا مقام

سیاست میں دخیل ہوکر اپنے مشورے دیتی رہیں اور براہ راست جہاد میں بھی شرکت کرتی رہیں۔

مندرجہ بالا شہادتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کو سیاست میں دخل دینے کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے، اور عورتوں کے سیاسی مشوروں پر عملدرآمد بھی کیا ہے۔

عورت اور مہر

جس طرح اسلام نے عورتوں کو ہر طرح کی آزادی بخشی ہے اور مردوں پر ان کے حقوق رکھے ہیں، اس کی مثال کسی بھی دوسرے مذہب میں نہیں پیش کی جاسکتی چنانچہ عورتوں کے ان ہی حقوق میں سے جن کی ادائیگی مردوں کے ذمہ لازم ہے ایک حق مہر بھی ہے جو شوہر پر بیوی کے حق کے طور پر اسلام نے لازم قرار دیا ہے کوئی بھی عورت محض نکاح ہو جانے سے مہر کی حقدار ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ نکاح کے بعد اگر شوہر سے اس کی ایک مرتبہ بھی ملاقات نہ ہوسکی اور کسی وجہ سے جدائی کی نوبت آگئی تب بھی عورت کو آدھا مہر مل جائے گا، اسی طرح اگر نکاح کے وقت مہر مقرر نہیں کیا گیا یا مہر نہ دینے کی شرط مقرر کر لی گئی تب بھی شوہر پر سے مہر معاف نہیں ہوتا بلکہ ایسی صورت میں اس عورت کو مہر مثل ملے گا۔

مہر کے سلسلہ میں عورت کی جس قدر رعایت اسلام نے کی ہے اس کی نظیر کسی دوسرے مذہب میں نہیں پیش کی جاسکتی، چنانچہ بعض مذاہب میں سرے سے مہر کا تصور ہی نہیں ہے اور عورت کو اس قسم کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اور بعض مذاہب ایسے مہر

جن کی رُو سے مہر کو عورت کا حق تو تسلیم کیا گیا ہے مگر اس کو مہر طلب کرنے کا حق حاصل نہیں ہے یا حاصل ہے تو بہت کڑی شرطوں کے ساتھ گویا یہ اس کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ بھیک ہے کہ مرد کو اس سلسلہ میں کسی قِسم کی زَحمت کا سامنا نہ کرنا پڑے، چنانچہ ہندو مذہب میں تو ایسا کوئی قانون ہی نہیں ہے کہ جس کی رو سے مذہبی طور پر مہر دینا واجب ہو،

اسی طرح یہودی مذہب میں اگرچہ مذہبی نقطۂ نظر سے شوہر پر مہر واجب تو ہے مگر بیوی اس کا مطالبہ یا تو شوہر کے مرنے کے بعد اس کے وارثین سے کر سکتی ہے، یا پھر کسی وجہ سے اگر دونوں میں جدائی ہو جائے تو جدائی کے بعد کر سکتی ہے، شوہر اور بیوی میں اگر خوش گوار تعلقات قائم ہوں تو بیوی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر سے اپنے مہر کی ادائیگی کا مطالبہ کر سکے یہی حال عیسائی مذہب کا بھی ہے۔ بلکہ اس میں کچھ اور زیادہ دشواریاں ہیں۔

ان سب کے برخلاف اسلام نے نہ صرف عورتوں کو مہر کا حق دیا ہے بلکہ مہر کا آزادانہ مطالبہ کرنے کا بھی حق دیا ہے،

یہاں تک کہ اگر نکاح کے وقت مہر معجّل یعنی فوری ادائیگی والا مہر طے پایا ہو تو بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ شوہر کو اپنے بدن میں اس وقت تک ہاتھ نہ لگانے دے جب تک مہر نہ وصول کرلے۔

عورت اور میراث

دنیا کے کسی بھی مذہب نے عورت کو میراث میں شریک نہیں کیا ہے یعنی ایک ہی

ماں باپ کے دو بچوں میں جن میں سے ایک لڑکی ہو اور ایک لڑکا، سب ہی مذاہب نے اس طور پر تقسیم کر رکھی ہے کہ مرنے والے ماں باپ کے مال کا حقدار لڑکا ہوگا لڑکی نہیں، اس کے خلاف، اسلام نے اس غیر فطری تقسیم کو ختم کر کے عورت کو بھی میراث میں شریک کیا کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے بحیثیت تخلیق، عورت اور مرد میں کوئی فرق نہیں ہے، خدا ہی کی مخلوق لڑکا بھی ہے اور خدا ہی کی مخلوق لڑکی بھی ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ماں باپ کی میراث میں لڑکے کا تو حصہ ہو اور لڑکی محروم رہے۔

چنانچہ اسلام نے اس سلسلے میں واضح اور غیر مبہم قانون پیش کیا۔ جس کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا:

لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ (مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے)

یعنی تقسیم اس طرح ہوگی کہ جتنا مال دو بہنوں کو ملے گا اتنا ایک بھائی کو ملے گا۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید کے اندازِ بیان پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ کہا گیا کہ مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔

اسی بات کو کہنے کا دوسرا طریقہ یہ بھی تھا کہ بہن کو بھائی کا آدھا حصہ ملے گا گویا اس طرح نہ کہہ کر یوں کہا گیا کہ دو بہنوں کے حصہ کے برابر ایک بھائی کو حصہ ملے گا اس اندازِ بیان میں اس طرف لطیف اشارہ ہے کہ عورت کا حصہ مقرر کرنا ضروری ہے کیونکہ جب ایک عورت کا حصہ مقرر ہوگا تو اسی کا دوگنا مرد کو ملے گا اور جب تک عورت کا حصہ نہیں مقرر ہوگا دوگنے کا سوال کیا ہوتا ہے۔

اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ لڑکی کو حصہ ملنے میں لڑکے کا کوئی احسان نہیں ہے اور نہ ہی کبھی یہ بات سوچنا چاہیئے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکید کے ساتھ

لڑکی کا حصّہ مقرر کرنے کا حکم ملا ہے بالفاظِ دیگر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر لڑکی کا حصّہ نہ مقرر کیا جائے تو لڑکے کو بھی کچھ نہیں مل سکتا اور اس کا حصّہ بھی مقرر نہیں ہو سکتا کہ اسے لڑکی کا دوگنا ملنا ہے تو پہلے لڑکی کا حصہ معلوم ہونا چاہیئے تا کہ اس کا دوگنا کیا جا سکے۔

اسلام کا یہ وہ خصوصی انعام ہے جس کی طرف اسلام سے پہلے کسی مذہب کی توجّہ نہیں ہے اور اس کی افادیت کا اس کے بعد کوئی بھی عقلمند منکر بھی نہیں ہوا چنانچہ اسلامی ضابطہ میراث کی روشنی میں ہی دنیا کے بہت سے ملکوں میں عورت کو قانونی طور پر میراث کا حقدار تسلیم کیا گیا چاہے وہ مکمل طور پر نہ ہو پھر بھی اس طرف توجّہ ہوئی ضرور، اور اس حقیقت سے انکار کرنے کی گنجائش نہیں ہے کہ اس طرف متوجّہ کرنے والا مذہب اسلام ہی ہے۔

عورت اور خلع

عورت کے نام نہاد خیر خواہ عورت کے سلسلہ میں اسلامی قوانین کو چیلنج کرتے وقت اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ اسلامی قانون کی رو سے مرد کو عورت پر اتنی بالادستی حاصل ہے کہ زن و شوہر کے مساویانہ رشتے میں مرد جس وقت چاہے طلاق دے کر عورت کو الگ کر سکتا ہے مگر عورت کو طلاق دینے کا حق حاصل نہیں ہے گویا اسلام نے عورت کو مرد کا غلام بنا دیا ہے اور عورت مرد کے پیر کی جوتی ہے کہ جب تک وہ چاہے پہنے اور جب چاہے اتار کر پھینک دے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے اگر ایک طرف مرد کو طلاق کا حق دیا ہے تو

دوسری طرف عورت کو خلع کا حق دیا ہے مگر دونوں ہی کے سلسلہ میں کڑی شرطیں رکھی ہیں اور شوہر و بیوی دونوں میں سے کسی کو بھی آزادانہ طور پر طلاق و خلع کے استعمال پر پابندی عائد کی ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

اِنَّ ابغضَ الحلالِ اِلَی اللہِ الطلاقُ۔ یعنی حلال چیزوں میں اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔

اسی طرح دوسری روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد گرامی خلع کے سلسلہ میں اس طرح منقول ہے:

ایما امرأۃ سالت زوجھا طلاقا فی غیر ما باس فحرام علیھا رائحۃ الجنۃ (مشکوٰۃ) یعنی جو عورت اپنے شوہر سے بلا ضرورت طلاق طلب کرے گی تو اس پر جنّت کی خوشبو حرام ہو جائے گی۔

ان دونوں روایات سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے کہ طلاق اور خلع دو چیزیں مصالح کے تحت حلال کی گئی ہیں مگر ان کا بیجا استعمال کرنا اور خواہشات نفسانی کی تکمیل میں اللہ پاک کے عطا کردہ ان حقوق سے ناجائز فائدہ اٹھانا اللہ پاک کو کسی بھی طرح پسند نہیں ہو سکتا۔

غرضیکہ یہ کہنا کہ شریعت اسلامیہ نے مرد کو عورت پر جابر حاکم کے طور پر مسلّط کر کے اس کو آزادی دے دی اور عورت کو غلام بنا دیا، مرد عورت کو طلاق دے سکتا ہے اور عورت مرد سے چھٹکارہ نہیں حاصل کر سکتی، سراسر جہالت اور نادانی ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ اگر مرد کو طلاق کے ذریعہ عورت کو الگ کرنے کا حق حاصل ہے تو عورت کو بھی خلع کے ذریعہ چھٹکارہ حاصل کر لینے کی آزادی ہے۔ چنانچہ اگر کسی عورت کا

شوہر وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کے قابل نہ ہو مثلاً مجبوب یا نامرد ہو، اسی طرح شوہر اگر نان ونفقہ نہ دیتا ہو یا اسی طرح اگر کسی کا شوہر مفقود الخبر ہو یا اسی طرح شوہر کسی متعدّی مرض میں گرفتار ہو کہ جس سے صحت کی اُمید نہ ہو تو ایسے تمام مواقع پر عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کر کے بذریعہ خلع ایسے شوہر سے چھٹکارہ حاصل کر سکتی ہے، اس کے علاوہ اور بھی ایسی صورتیں ہیں جنکو بنیاد بنا کر عورت خلع کا دعویٰ کر کے مرد سے علٰحدگی اختیار کر سکتی ہے۔

پھر یہ کہنا کہ اسلامی شریعت میں عورت مرد کی پابندی کے لئے مجبور ہے، اور مرد کو ہر وقت عورت سے علٰحدگی کا اختیار ہے' نادانی کے سوا اور کیا ہے؟

عورت محکوم کیوں؟

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگرچہ اسلام نے عورت کو بڑا مرتبہ عطا کیا ہے اور وہ عورت جو دنیا کی نظر میں ایک ذلیل اور بدتر چیز تھی' اسے اٹھا کر صنف مقابل (مرد) کے برابر کھڑا کر دیا. مگر جب کہ قرآن خود کہہ رہا ہے کہ باعتبارِ تخلیق کے مرد میں کوئی امتیاز نہیں. ! پھر کیا وجہ ہے کہ عورت کو مرد کے تابع بنا دیا؟ اور اسلام نے فیصلہ سُنا دیا کہ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ (مرد عورتوں کے نگراں ہیں)

چنانچہ ایک عورت کی زندگی کا پورا حصّہ تابعداری میں گذرتا ہے اور وہ اس کیلئے مجبور ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ دنیا کا کوئی بھی نظام بغیر کسی حاکم کے نہیں چل سکتا کسی بھی ملک میں اس وقت تک امن دامان قائم نہیں ہو سکتا جب تک وہاں کوئی

بادشاہ اور حاکم نہ ہو۔

عورت اور مرد کی زندگی بھی مستقل ایک ملک کی حیثیت رکھتی ہے اس میں بھی پچاسوں قسم کی ضرورتیں پیش آتی ہیں اس لئے ضرورت ہے اس بات کی کہ وہاں بھی ایک سربراہ اور حاکم ہو جس کی رائے آخری بات ہو۔

اب یہ سوال کہ حاکم کا درجہ مرد کو کیوں دیا گیا، عورت کو کیوں نہیں دیا گیا تو اس کی بہت سی حکمتیں ہیں، منجملہ ان میں سے ایک یہ ہے کہ خالق کائنات نے مرد عورت دونوں کو الگ الگ کام دیکر دنیا میں بھیجا ہے عورت کا کام یہ ہے کہ وہ اولاد کی تربیت و نگہ داشت کرے، اس کی ہر اچھائی برائی پر نظر رکھے، مرد کا کام یہ ہے کہ وہ دنیا میں چل پھر کر معاش مہیّا کرے اور بیوی بچّوں کے اخراجات پورے کرے اس اعتبار سے مرد کو زائد تجربہ ہوگا اور ان میں زیادہ فہم و شعور پیدا ہوگا، اس لئے وہی زیادہ حقدار ہوا، دوم یہ کہ عورتوں میں کچھ فطری کمزوریاں ہیں جو خالقِ عالم نے ان کی ذات میں ودیعت کی ہیں مثلاً عقل کی کمی، غیر مستقل مزاجی عام طور پر ہر عورت کے اندر یہ کمزوریاں ہوتی ہیں جو عام طور پر مَردوں کے اندر نہیں ہوتیں اس لئے بھی مرد زیادہ حقدار ہوا، سوم یہ کہ مرد فطرتاً عورت سے زیادہ قوی ہوتا ہے وہ بحیثیت ذمّہ دار کے مشکلات و مصائب کا جس طرح مقابلہ کر سکتا ہے عورت نہیں کر سکتی ہے لہٰذا ایک گھریلو زندگی کا ایسے ہی شخص کو ذمّہ دار بنانا چاہیئے جو زائد از زائد خطرات کا مقابلہ کر سکے۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ چیز بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ عورت کی محکومیت بس اسی حد تک ہے کہ وہ مرد کے زیرِ سایہ رہے، ایسا نہیں ہے کہ وہ ایک غلام کی طرح ہو کہ آقا اس سے جو چاہے کرائے اور وہ آقا سے کچھ نہ کرا سکتا ہو، بلکہ اسلام نے جس طریقے سے مَردوں کے

حقوق عورتوں پر رکھے ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق مردوں پر رکھے ہیں چنانچہ ایک بچی کے بالغ ہونے تک اس کے تمام اخراجات کا باپ کو ذمہ دار بنایا اس کے بعد شوہر کو ذمہ دار بنایا اور اس پر فرض ہوا کہ اپنی بیوی کے اخراجات برداشت کرے گویا یہ عورت کا حق ہے جسے طلب کرنے کا وہ اختیار رکھتی ہے۔

ازدواجی زندگی کے اندر اگر مرد کو حاکم بنایا گیا تو اس طرح کہ عورت مانند ایک پھول کے ہے اور مرد ایک مالی کے مانند۔ مالی کا فرض ہے کہ پھول کی پوری طرح نگہداشت کرے اسی طرح مرد کا فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کی تمام جائز خواہشات کا احترام کرے، حاکم ہونے کے ناطے مرد کو تنبیہہ کا بھی اختیار دیا گیا ہے مگر حد سے تجاوز پر ناگواری کا بھی اظہار کیا گیا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت حنظلہؓ نے کسی بات پر اپنی بیوی کو مارا انھوں نے جاکر حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ حضورؐ نے حضرت حنظلہؓ سے اس فعل پر ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

انکسر القوارير يا حنظلہ !(اے حنظلہ! کیا تم کنچ کی شیشیوں کو توڑ ہی ڈالو گے۔)

گویا حضورؐ نے انتہائے شفقت و محبّت میں عورت کو کنچ کی شیشی سے تعبیر فرمایا کہ جس طرح اس کی حفاظت ضروری ہے ورنہ وہ ضائع ہوسکتی ہے، اسی طرح عورت ہے کہ زیادہ زدوکوب کرنے سے اس کی ہلاکت کا خطرہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسلام نے اگرچہ مصالح کے پیش نظر مرد کو عورت کا حاکم قرار دیا ہے، مگر اس سلسلہ میں اس کو بے مہار نہیں چھوڑا بلکہ اس کے اوپر عورت کے

بہت سے حقوق رکھ دیئے وہ یہ نہ سمجھے کہ میں حاکم ہوں، مجھے ہر طرح کی بدسلوکی کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

ایک خصوصی کرم

اسلام نے جس طریقے سے زندگی کے تمام شعبوں میں عورت کو ایک خاص مقام مرحمت کیا اور اس کے ساتھ بہترین سلوک کر کے یہ ثابت کیا کہ عورت بھی اسی طرح خدا کی مخلوق ہے جس طرح مرد ہے، اسی طرح اسے میراث میں بھی شریک کیا مگر اس سلسلہ میں ایک غلط فہمی عام ہے اور وہ یہ کہ اسلام نے عورت کو مرد کا آدھا حصہ دیکر عورت پر ظلم کیا ہے۔

یعنی کیا وجہ ہے کہ مرنے والے باپ کے مال میں سے بھائی کو دو حصے ملیں گے اور بہن کو ایک ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ مرد کو دہرا حصہ ملتا ہے مگر اس کے اوپر دوہری ذمہ داری بھی ڈالی گئی ہے۔ یعنی اس کا دہرا خرچ بھی ہے وہ اس طرح کہ مرد اپنی بیوی کے نان و نفقہ کا بھی ذمہ دار ہے اور اپنا بھی ــــ اس طرح اس کے دونوں حصے

دو ذالوں پر خرچ ہو جائیں گے۔

اس کے برخلاف عورت ہے کہ اس پر کوئی ذمہ داری نہیں بلکہ اس کے نان و نفقہ کا ذمہ دار اس کا شوہر ہے۔

اس طرح مرد کے دونوں حصے خرچ ہو جائیں گے اور عورت کا ایک محفوظ رہے گا ظاہر ہے کہ اس تقسیم میں عورت سراسر فائدہ میں ہے یہ اسلام کا خصوصی احسان ہے جو عورت سے متعلق ہے ورنہ دنیا کے کسی مذہب نے عورت کو میراث کا مستحق ہی قرار نہیں دیا۔

پَردَہ

اَب تک ہم نے اجمالی طور پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عورت کے متعلق یہ خیال رکھنا کہ اسلام نے اس کے ساتھ اچھّا سلوک نہیں کیا کوئی حقیقت نہیں رکھتا بلکہ اسلام تو عورت کا سب سے بڑا محسن ہے اس نے تو عورت کو اس مرد کے بالمقابل کھڑا کر دیا جو عورت کے نام سے گھِن کرتا تھا، اسے اپنے ہاتھوں زندہ در گور کرتا تھا، اس کو ناپاک اور ذلیل شئے تصور کرتا تھا اور اس کو ننگِ انسانیت سے تعبیر کرتا تھا۔

اب ہم یہ بتائیں گے کہ کیا عورتوں کے فطری حق کو اسلام نے چھینا ہے؟

اور کیا بے پردگی عورت کا فطری حق ہے؟

تو سب سے پہلے اس سلسلے میں سمجھنا چاہیئے کہ اسلام نے پردے کا قانون نافذ کر کے عورت کو کیا مقام دیا؟

یہ بات پہلے ہی واضح کی جا چکی ہے کہ خداوندِ کریم نے عورت کو بچوں کی تربیت، اور گھریلو معاملات کا ذمہ دار بنا کر دنیا میں بھیجا ہے، اس کے ذمہ یہی دو کام ہیں، باہر کی دنیا سے متعلق ذمہ دار مرد ہے۔

اگر اس نظریئے پر کوئی اختلاف نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ عورت کے باہر نکلنے کی کیا ضرورت، لیکن اگر اس نظریئے سے اختلاف ہو تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ عورت کو بھی اس بات کا حق ملنا چاہیئے کہ وہ گھر کے باہر کی دنیا میں دلچسپی لے اور مرد ہی کی طرح وہ بھی کسبِ معاش کے سلسلے میں آزاد ہو، تو ظاہر ہے کہ اتنی بات سے تو کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا، کہ اسلامی قانون میں عورت کے ساتھ نرمی برتی گئی ہے کیونکہ اس میں عورت کے ذمہ صرف دو کام ہیں، اور یہاں عورت کو ایک تیسرے اور اہم کام کا ذمہ دار بھی قرار دیا جا رہا ہے،

گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ جس طرح ملوں میں مرد قطار در قطار کھڑے ہوتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی کھڑی ہوں۔

جس طرح دفاتر میں مرد بیٹھ کر کام کرتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی کریں۔ آزادی اور حسنِ سلوک کا نام دے کر عورتوں کی بہت بڑی بہی خواہ اور نمائندہ اقوام نے عورتوں کو فیکٹری، کارخانے، بازار، دوکان ہر جگہ کھڑا کر دیا، اور آج کی آزاد خیال عورت اس سے خوش ہے۔ حالانکہ اگر ذرا بھی عقل سے کام لے تو اس پر یہ حقیقت

روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ اسلام نے جو نظام عورت کے لئے وضع کیا ہے وہی اس کے لئے زائد سکون کا باعث ہے۔ ظاہر ہے کہ فیکٹری اور مل، دفتر اور بازار میں کام کر کے عورت اپنی ان ذمہ داریوں سے تو کسی قیمت پر سبکدوش نہیں ہو سکتی جو اس پر فطری طور پر عائد ہوئی ہیں یعنی گھریلو معاملات کی نگرانی اور بچّوں کی پرورش، اس طرح اس پر ایک شدید قسم کی ذمہ داری اور عائد کردی گئی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کوئی بھی کام صحیح طور پر تکمیل نہیں پارہا ہے

نہ بچّوں کی صحیح پرورش ہو پا رہی ہے۔

نہ گھریلو نظام بہتر ہے۔

اور نہ ہی وہ اس خارجی ذمہ داری کو کما حقہٗ ادا کر پارہی ہے۔

ہاں "خود غرض" مرد ضرور اس بات پر خوش ہیں کہ اس نے اس طرح ایک بہت بڑی ذمہ داری سے نجات پالی۔

پردے کا مقصد

قرآن مجید اور احادیث میں پردہ کے متعلق جو احکامات ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتیں اپنی آرائش و زیبائش کو غیر محرم کے سامنے ظاہر نہ کریں، جس طریقے سے زمانۂ جاہلیت کی عورتیں کیا کرتی تھیں کہ انھوں نے زینت کو اسی لئے مخصوص کر لیا تھا ـــــ عورتیں اپنے گھروں میں رہیں تو باوقار رہیں ـــ گھر کے باہر نکلیں تو پردہ کے ساتھ نکلیں. خوشبو وغیرہ لگا کر نہ نکلیں، اِن احکامات کی جو وجوہات بیان کی گئی ہیں، ان سے مندرجہ ذیل تین باتیں سمجھ میں آتی ہیں.

(۱) عورتوں اور مردوں کے اخلاق کی حفاظت کی جائے اور باہمی اختلاط سے جو خرابیاں اور بے حیائیاں پیدا ہو سکتی ہیں، ان کا دروازہ بند کیا جائے.

(۲) گھریلو نظام کو مضبوط اور مامون کیا جائے.

(۳) فطری طور پر عورت اور مرد کے فرائض زندگی جُدا جُدا ہیں، اختلاط سے ان فرائض کی تکمیل پر اثر پڑتا ہے، اس لئے دونوں کا دائرہ الگ الگ کر دیا جائے تاکہ دونوں اپنے فرائض کو کما حقہٗ ادا کر سکیں۔

اسلام نے ان تین عظیم ضرورتوں کا خیال کرتے ہوئے پردے کا قانون نافذ کیا اور عورت کی آزادی کو پورے طور پر برقرار رکھا ــــ پردہ کے بغیر دونوں باتوں کی رعایت ہونا ممکن نہیں، اسلئے کہ پردہ کے بغیر جن لوگوں نے خاندانی نظام کو محفوظ کیا ہے انھوں نے عورت کو غلام بنا کر تمام حقوق سے محروم کر دیا، جیسے ہندو تہذیب، اور پرانے یہودی اور عیسائی تہذیب میں اور جن لوگوں نے عورت کو اس کے حقوق بھی دیئے اور پردے کی پابندی ختم کر دی، ان کا خاندانی نظام بگڑ گیا جیسے مغربی ممالک میں، کہ اگرچہ مردوں نے وہاں عورتوں کو اس لائق بنا دیا کہ وہ دفاتر، کارخانوں، ورک شاپوں اور بازاروں میں ان کے دوبدو کام کر سکیں، لیکن ان کے ساتھ وہ خاندانی نظام کو محفوظ نہ رکھ سکے۔ انھیں اپنی عورتوں پر برائے نام اختیار ہے، ان کی عورتیں غیر مردوں کے ساتھ گھومتی ہیں، کلبوں اور ہوٹلوں میں رقص کرتی ہیں مگر وہ انھیں روک نہیں سکتے۔ ان کے سکون اور عافیت کی جگہ اُن کے گھر نہیں بلکہ ہوٹل اور کلب ہیں۔ اُن کے بچے صحیح تربیت سے محروم ہیں۔

اگر ان دونوں میں سے کسی ایک راہ کو اختیار کرنا ہو تو خیر کوئی حرج نہیں اور اگر یہ پسند ہو کہ گھریلو نظام بھی پوری مضبوطی کے ساتھ چلے۔ بچوں کی پوری طرح نگہداشت و تربیت ہو اور ساتھ ہی ساتھ عورت اپنے تمام حقوق کے سلسلے میں آزاد ہو، تو اسلام کے پیش کردہ لائحہ عمل "پردہ" کو اختیار کرنا ناگزیر ہے۔

عقلی طور پر پردہ ضروری ہے!

خلّاقِ عالم نے عورت کے چہرہ مہرہ میں مرد کے لئے کشش رکھی ہے جس کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ عورت ہر اعتبار سے مرد سے کم ہے قوّت میں وہ مرد کا مقابلہ نہیں کر سکتی کیونکہ اس کے اعضاء کی ساخت میں نرمی رکھی گئی ہے۔ اسی طرح عقل و فراست میں وہ مرد کا مقابلہ نہیں کر سکتی عبادت و ریاضت کا بھی حال ہے۔ مزید برآں فطری طور پر اس کے اندر کچھ اس طرح کی کمزوریاں رکھی گئی ہیں جو مرد میں نہیں ہیں۔ اس لئے خداوند قدّوس نے

اس کے چہرے کو وجہِ کشش بنا دیا؛ تاکہ مرد اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہو، اور ایک ہنر کے ذریعہ خالقِ عالم نے اس کے تمام عیوب کی پردہ پوشی کردی۔ اور اب مرد ہنسی خوشی زندگی بھر اسے بٹھا کر کھلانے کے لئے تیار ہے۔

عورت کی یہی کشش وجہِ فساد بھی ہے، چنانچہ اسلام نے اس چیز کو چھپانے کا حکم دیا، تاکہ کسی قسم کا فساد بپا نہ ہو، سوچنے کی بات ہے کہ جہاں عورتیں بن سنور کر پوری عریانیت کے ساتھ مردوں کے دوش بدوش رہیں گی وہاں اخلاقی حالت نہ بگڑنے کی کیا ذمہ داری لی جاسکتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے جیسا کہ آج کل کے "ترقی یافتہ" دماغ کے لوگ کہتے ہیں کہ جس چیز کی جتنی حفاظت کی جائے اتنی ہی لوگوں کی توجہ اس طرف رہتی ہے۔ اگر عورت کو مردوں کی طرح آزادانہ چلنے پھرنے اور زندگی کے شعبہ میں دخل دینے کی اجازت دی جائے تو مرد کی توجہ لامحالہ اس کی طرف سے ہٹ جائے گی، کیونکہ وہ اس کے لئے کوئی نئی چیز نہ ہوگی تو یہ بات بالکل غلط ہے اسلئے کہ ہم نے دیکھا کہ جہاں عورت بالکل بے پردہ تھی اور اس کے اوپر اس قسم کی کوئی پابندی نہیں تھی وہاں لوگوں کے دل نہ بھرے اور ان کی خواہشات اور "آزادی" نے بے پردگی سے عریانیت تک نوبت پہنچادی پھر جب اس سے بھی جی نہ بھرا تو جنسی آوارگی تک بات پہنچ گئی، پھر یہیں جا کر بات نہیں رُک گئی بلکہ اب آوارگی کے لائسنس بھی دیئے جارہے ہیں اور ان سے بھی ان بوالہوسوں کی آرزوئیں نامکمل ہیں یہ کوئی افسانہ یا زورِ تحریر نہیں ہے بلکہ آج بھی مغرب کی آزادی دینے والے ممالک کی رپورٹیں اخبارات میں دیکھ کر اس بات کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ جرائم اور آوارگی وہاں روزمرہ کا مشغلہ بن گئے ہیں۔ کیا حالات اطمینان بخش ہیں؟ اور کیا ان

نتائج کی موجودگی میں بھی کوئی روشن دماغ اس آزادی کی اجازت دے دیگا۔

پھر یہ مسئلہ اسی دائرہ تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا اثر اخلاقیات پر پڑنا ناگزیر ہے جہاں عورتوں کو اس بات کی اجازت دی جائے گی کہ وہ بے روک ٹوک غیر مردوں کے سامنے جائیں، بازاروں میں نکلیں، نمائشوں میں حصّہ لیں اور ریسٹورنٹ کی زینت بنیں تو وہاں اس بات کا خیال رکھنا لازمی ہوگا کہ ان کے ان اعمال کے مصارف کی ذمّہ داری لی جائے۔

ظاہر ہے کہ جب وہ گھر میں رہیں گی تو ان کے اخراجات بھی کم ہوں گے اور جب بازار جائیں گی تو ان کے لئے معیاری کپڑے بھی ہونے چاہیئں، میک اپ کا سامان بھی ہونا چاہیئے، جیب خرچ کے لئے رقم بھی ہونا چاہیئے۔

ان تمام باتوں کے لئے جائز آمدنیاں کہاں تک کارگر ہو سکیں گی۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج ہر طرف بلیک مارکیٹنگ، رشوت، غبن، چوری اور ڈاکہ زنی کے بازار گرم ہیں جن کو تمام تر سختیوں کے باوجود کوئی روکنے پر قادر نہیں، کیونکہ مرض کی صحیح تشخیص نہیں ہو رہی ہے تو علاج کیا کارگر ثابت ہو سکتا ہے۔

ان تمام پہلوؤں پر نظر کرتے ہوئے اگر انصاف کے ساتھ دیکھا جائے تو عقلِ سلیم خود اس بات کا فیصلہ کر دے گی کہ اسلامی اصول ہی سببِ عافیت ہیں۔

پردہ اور صحّت

ہمدردانِ عورت نے منجملہ دوسری خرابیوں کے پردہ کی ایک خرابی یہ بھی تجویز کی ہے کہ پردہ کی وجہ سے عورت کی صحت خراب ہو جاتی ہے کیونکہ پردہ میں رہ کر عورت گھٹن،

محسوس کرتی ہے جس کا نفسیاتی طور پر صحت پر غلط اثر پڑتا ہے اور خانہ قیدی کی وجہ سے اس کی صحت برباد ہو جاتی ہے۔

اوّل تو یہ دعویٰ ہی قابلِ تسلیم نہیں کیونکہ ہر پردہ دار عورت کی صحت خراب نہیں ہوتی اور نہ ہی ہر بے پردہ عورت کی صحت عمدہ رہتی ہے بلکہ پردہ دار اور بے پردہ دونوں قسم کی عورتوں کی صحت اچھی بھی رہتی ہے اور خراب بھی۔ جس طرح مرد پر پردہ کی پابندی نہ ہونے کے باوجود دونوں قسم کی کیفیات طاری رہتی ہے۔ اس لئے پردہ کو خرابیٔ صحت کی ذمہ داری قرار دینا سراسر فریب ہے۔ پھر اگر کسی درجہ میں پردہ کی گھٹن کو نفسیاتی طور پر خرابیٔ صحت کا ذمہ دار قرار دے بھی لیا جائے تو اس کے لئے ضروری ہوا کہ عورت اپنے پردہ کو اپنے لئے گھٹن سمجھے اور اگر عورت رضا کارانہ طور پر اپنے کو فطری طور پر پردہ کا پابند سمجھے تو اسے بے پردگی اور بے حجابی میں گھٹن محسوس ہو گی۔ پردہ گھٹن کی چیز ہے یا بے پردگی؟ اس کا تعلق اندازِ فکر سے ہے اور اسی پر خرابیٔ صحت کا دارومدار ہے۔

مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ جیل خانہ جسے مجرموں کو قید کرنے کے لئے بنایا جاتا ہے۔ سماج کے جرائم پیشہ لوگ مثلاً چور، ڈاکو، جیب کترے، لٹیرے، فسادی، قاتل اور ان جیسے دوسرے جرائم پیشہ لوگوں کو بہ طور سزا اس میں رکھا جاتا ہے۔ مگر اسی جیل خانہ میں کچھ لوگ وہ بھی ہوتے ہیں جو رضا کارانہ طور پر اس میں رہتے ہیں یعنی جیل کا عملہ جس میں متعدد ملازم ہوتے ہیں، کسی کے ذمہ قیدیوں کی نگرانی کا کام ہے کسی کے ذمہ کھانا پکانے کا کام ہے، کسی کے ذمہ لکھا پڑھی کا کام ہے اور کسی کے ذمہ قیدیوں کے اخلاق و عادات سدھارنے کی خدمت ہے۔ پھر کیا اس عملہ کا کوئی بھی فرد اپنے کو

مجرمین کی طرح قیدی سمجھ کر اس جیل خانہ میں گھٹن محسوس کرتا ہے اور اس جیل سے چھٹکارہ پانے کے لئے کوشاں رہتا ہے؟ نہیں بلکہ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ جیل کی ان ملازمتوں کو حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کی سعی و سفارش کرتے ہیں بلکہ آج کے موجودہ ماحول میں جائز و ناجائز تدابیر اختیار کرتے ہیں۔ صاحب کو خوش کرنے کے لئے رشوت کی تھیلی پیش کر کے بھی اس جیل خانے میں پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اس ملازمت کے پالینے پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ دوستوں اور اعزہ و اقرباء کے ساتھ مل کر خوشیاں مناتے ہیں، جب کہ ہر مجرم قیدی کی طرف سے اسکے ملنے جلنے والے یا اس کے اعزہ و اقرباء دوڑ دھوپ کرتے رہتے ہیں کہ کسی طرح اسے جیل سے رہائی مل جائے۔ مگر آپ نے کبھی بھی کسی جیلر صاحب کو نہ دیکھا ہوگا کہ وہ یا ان کے ہمدرد عدالت کے اس لئے چکر کاٹتے ہوں کہ جیلر صاحب کو جیل سے رہائی مل جائے اور نہ ہی جیلر صاحب جیل خانے میں گھٹن محسوس کرتے ہیں۔ بلکہ سچ پوچھئے تو دنیاوی اعتبار سے ان کی واقعی عزت اسی وقت ہوتی ہے جب وہ جیل کے اندر ہوتے ہیں۔ اسی لئے جیلر صاحب کے حق میں جیل کی فضا ناسازگار نہیں ہوتی۔ اور جیل کے سرکاری عملہ کی صحت پر محض جیل میں رہنے کی وجہ سے کوئی ناخوش گوار اثر نہیں پڑتا جبکہ اسی جیل میں رہنے والے بہت سے مجرم قیدیوں کی صحت پر جیل خانے کی فضا کا بہت برا اثر پڑتا ہے اور ان کی صحت بہت خراب ہو جاتی ہے۔

یہ فرق کیوں ہے؟ بالکل سامنے کی بات ہے کہ جیل کا ملازم عملہ رضا کارانہ طور پر جیل میں رہتا ہے اس لئے جیل میں اسے گھٹن نہیں محسوس ہوتی ہے اور جب گھٹن یا دل تنگی نہیں ہوتی ہے تو نفسیاتی طور پر اس سے صحت کے خراب ہونے کا کوئی سوال

ہی نہیں ہے۔ اور مجرمین جیل میں اپنی مرضی کے خلاف زبردستی رکھے جاتے ہیں۔ اس لئے ان کا نفسیاتی اثر بسا اوقات اُن کی صحت پر پڑتا ہے اور صحت بگڑ جاتی ہے۔

اسی طرح پابند پردہ عورت کا معاملہ ہے کہ اگر وہ فطری طور پر اپنے کو پابند پردہ سمجھ کر رضاکارانہ طریقے پر پردہ کی پابندی اختیار کرتی ہے تو اسے پردہ ہی میں راحت اور آزادی کا احساس ہوتا ہے اور بے پردگی اس کے نفسیاتی تقاضوں کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کی صحت پر ناخوشگوار اثرات ڈال سکتی ہے، ہاں اگر وہ جبری طور پر پردہ کی پابند ہوئی ہے اور خدا کے قانون پردہ کی حکمت و مصلحت کو نہ سمجھ کر پردہ کو فطرت کے خلاف سمجھتے ہوئے اس پر عمل کرنے پر مجبور ہوئی ہے تو اسے پردہ میں ضرور گھٹن محسوس ہوگی، اس کا بہت کچھ امکان ہے کہ یہ گھٹن اس کی صحت پر ناخوشگوار اثرات چھوڑے۔

اب عورت کے سوچنے کی یہ بات ہے کہ پردہ فطری چیز ہے یا بے پردگی؟

پردہ اور تعلیم

یہ اعتراض کبھی اُٹھایا جاتا ہے کہ پردہ تعلیم کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ تو جو دوسرے دعووں کا حال ہے وہی حال اس دعوے کا ہے کیونکہ اگر تعلیم سے مراد مذہب دشمنی ہے اور وہ تعلیم مقصود ہے جو مذہبی تعلیمات کو پائمال کردے اور بے پردگی پر مجبور کردے تو ظاہر ہے کہ مذہب ایسی تعلیم کی اجازت ہی کب دیتا ہے اور ایک مسلمان کا سب سے قیمتی سرمایہ اس کا اسلام ہے۔ اگر آپ کو ایمان و مذہب کے عوض تعلیم حاصل کرنے پر رضامندی دینا گوارہ ہو تو ایسے لوگوں سے گفتگو ہی بے کار ہے، ہاں وہ لوگ ضرور ہمارے مخاطب ہیں جو مذہب کے پابند رہ کر اپنی بہو بیٹیوں اور بہنوں کو تعلیم دلانا چاہتے ہیں۔

سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ اسلام تعلیم کا پرجوش حامی ہے اور جہالت کو اسلام نے اپنے کسی بھی ماننے والے کے لئے پسند نہیں کیا ہے جس کے ثبوت کے لئے اسلامی دَور اور اسلام سے پہلے والے دَور کا موازنہ کر لیجئے۔

اسلام سے پہلے فحاشی اور جہالت اس قدر عام تھی کہ اس پورے عہد کو ہی عہدِ جاہلیت کہا جاتا ہے، اس کے برعکس اسلامی دَور میں اُمّ المومنین حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسی جلیل القدر خواتین پیدا ہوئیں۔ جن سے نصف دینِ اسلام منقول ہے اور جن کے فضل وکمال اور علمی تفقہ کا، ان کا بدترین سے بدترین دشمن بھی اعتراف کرنے پر مجبور ہے۔

پھر بعد میں سعید بن مسیب کی صاحبزادی جن کے علم وفضل سے متاثر ہو کر خلیفۂ وقت نے شادی کا پیغام بھیجا مگر نامنظور کر دیا گیا۔

اسی طرح امام طحاوی کی صاحبزادی جن کے علم کا یہ عالم تھا کہ ان کے والدِ بزرگوار حدیث وفقہ کی کتابوں کا ان سے املا کراتے، اور اپنی تصانیف میں ان سے مدد حاصل کرتے تھے۔

مشہور عالم ابن سماکؒ کی لونڈی ان کی تقریروں میں اصلاح دیتی اور آقا ابن سماکؒ اسے قبول کر کے شکر گذار ہوتے۔

حضرت شعوانہؒ کے علم وفضل کا یہ مقام تھا کہ فضیل بن عیاضؒ جیسے صاحبِ باطن لوگ ان کی مجلس میں آکر ان سے فیضِ معرفت حاصل کرتے۔

سیّدہ نفیسہؒ وہ صالحہ اور عالمہ ہیں کہ امام شافعیؒ جیسے جلیل القدر عالم ومجتہد ان کی خدمت میں حاضری دیتے۔

آمنہ رطبیہ وہ مشہور عارفہ کاملہ ہیں جن کے فضل و کمال سے متاثر ہو کر بشر بن حارث اور امام احمد بن حنبل جیسے لوگ بارہا نیازمندانہ حاضر ہوئے۔ اور اپنے لئے دعا کرائی۔

یہ اور اس جیسی سیکڑوں بلکہ ہزاروں مثالیں ہیں۔ جن سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے کہ اسلام علم کا ہرگز مخالف نہیں ہے، بلکہ اسلام تو علم حاصل کرنے والوں کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں ایک سے ایک جلیل القدر عالمہ ملیں گی جو علوم عصریہ کی ماہر تھیں، مگر یہ ضرور ہے کہ اسلام بے حیائی اور اخلاق سوزی سے روکتا ہے۔ جس علم کا حاصل کرنا موجب بے حیائی ہے جس سے اخلاقی قدریں پامال ہوتی ہوں۔ اور جس علم کو مذہبی تعلیمات سے ہاتھ دھوئے بغیر حاصل ہی نہ کیا جاسکتا ہو، اسلام اس کا مخالف ہے اور شدید ترین مخالف ہے۔

لیکن جہاں تک اس علم کا معاملہ ہے جو اخلاقی عظمتوں کا زینہ اور معرفتِ الٰہی کا وسیلہ ہو تو اس علم کی حاصل کرنے والی عورتیں جس قدر پابند پردہ ملیں گی، اس کی مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔ چنانچہ مندرجہ بالا تمام ہی عورتیں اپنے اپنے دور کی امام کہی جاسکتی ہیں۔ اور علوم مروّجہ کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ میں کمال کا درجہ حاصل کئے ہوئے تھیں۔

مگر یہ سب اسی لئے حاصل ہو سکا کہ وہ پابند پردہ تھیں اور پردہ کو اپنے لئے لازم قرار دیتی تھیں۔

پردہ اور ترقی

عورت کے سچے پکے بہی خواہوں کو پردہ میں ایک ایک نظر میں ہزار ہزار کیڑے نظر آئیں گے مگر افسوس کہ عقل و نقل یا فطرت کوئی چیز ان کا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں ہے۔

ملک و ملّت کے ان صحیح خادموں کو پردہ کی وجہ سے، ایک خطرہ یہ بھی لاحق ہو گیا ہے کہ پردہ ملک کی ترقی میں رکاوٹ اور آڑ ہے، لہٰذا اس کا دفاع از حد ضروری ہے۔ اس ہمدردی پر بھی ایک نگاہ ڈال لیجئے۔

پہلے اس بات کو طے کر لیجئے کہ ترقی کے کیا معنی ہیں؟

پھر اس کا فیصلہ ہوگا کہ کون چیز ترقی میں رکاوٹ ہے اور کون چیز مددگار ہے۔

میرے خیال میں معیارِ ترقی ملک و ملّت کی خدمت ہے جس شخص یا فرد نے اس کام کو زائد از زائد انجام دیا وہ اسی درجہ قابل قدر اور ترقی یافتہ ہے۔

اگر یہی خیال ان حضرات کا بھی ہے تو ہم بتائیں گے کہ عہد رسالت میں سب سے پہلا شفاخانہ قائم کرنے والی عورت رفیدہ اسلمیہ تھیں، انھوں نے ہی ایک خیمہ مسجد نبوی میں کھڑا کیا تھا، جو لوگ زخمی ہوتے تھے ان کا علاج ہوتا تھا[1]

اتنی بڑی خدمت انجام دینے والی عورت مسلمان اور پابند پردہ تھی۔

میدان جہاد میں قادسیہ کے موقع پر اپنے چار بیٹوں کو اس ہدایت کے ساتھ کہ میرے محبوب بیٹو! تم نے اسلام اور ہجرت اپنی مرضی سے قبول کی ہے، تم اپنے وطن پر بھاری نہ تھے، نہ تمہارے ملک میں قحط پڑا تھا، باوجود اس کے تم اپنی بوڑھی ماں کو یہاں لے کر آئے ہو (تو اس کی کیا ہدایت ہے) بیٹو تم خدا کے لئے لڑنے آئے ہو لہٰذا صبح اٹھتے ہی لڑائی کی تیاری کرو۔ اور آخر وقت تک لڑو[2]

موت کے منھ میں دینے والی باعزم اور بااستقامت ذات خنساءؓ نامی عورت ہی کی تھی جو مسلمان اور ساتھ ہی ساتھ پابند پردہ تھی۔ اس عظیم عورت کی قربانی یہیں پر نہیں ختم ہوتی، بلکہ اسے جب علم ہوا کہ اس کے چاروں بیٹے راہِ خدا میں کام آ گئے تو بارگاہِ خداوندی میں سجدۂ شکر ادا کیا کہ مولیٰ نے میری قربانی قبول فرمالی۔

یہی نہیں بلکہ سائنس اور فلسفہ کے عدیم النظیر استاد تہذیب و تمدن کو مثالی بنانے والے اور خلیج بنگال سے لے کر بحر اٹلانٹک تک حکومت کرنے والے افراد ان ہی

---

[1] اسلام میں عورت کا مقام، بحوالہ اصابہ

[2] تلخیص از اسلام میں عورت کا مقام، بحوالہ اسد الغابہ

ماؤں کی آغوش میں تربیت پائے ہوئے تھے جو پابند پردہ تھیں پھر کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ باپردہ عورت ترقی یافتہ نہیں ہو سکتی اور پردہ ملک کی ترقی میں رکاوٹ اور آڑ ہے۔

ظاہر ہے کہ اسلام نے فطرت کے مطابق عورت اور مرد کی زندگی کے دائرۂ عمل کو الگ کر رکھا ہے۔ عورت کو مجسٹریٹ اور جج بننے کی اجازت نہیں دی ہے اور نہ ہی اسے اس بات کا اختیار ہے کہ وہ بادشاہ بن کر حکومت کرے؟ کیوں؟

اس لئے کہ اس کو اس لئے پیدا ہی نہیں کیا گیا ہے، اس کو تو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ گھر کے نظام کو سنبھالے اور گھریلو کارخانہ کی ذمہ دار بنے، بچوں کی تربیت پر پوری توجہ صرف کرے اور انھیں اس لائق بنائے کہ وہ ہر طرح ملک و ملّت کے لئے مفید ثابت ہو سکیں۔

اب آپ خود ہی غور فرمالیں کہ کیا پردہ دار عورتیں اس سلسلہ میں غیر پردہ دار سے پیچھے ہیں یا ان سے دس قدم آگے ہیں، پھر ملک و ملت کے لئے کون زائد مفید ثابت ہوئی؟ جو زائد مفید ثابت ہو وہی زائد ترقی یافتہ ہے۔

اور اگر ترقی کے معنی وہ لئے جائیں بلکہ ترقی کے معنی تقلید یورپ ہوں، تو ایسی ترقی سے ہم باز آئے۔ کیا ترقی کے معنی یہی ہیں کہ شوہر اپنی بیوی کو غیر مرد کے ساتھ دیکھ کر بھی کچھ نہ بول سکے۔ اور کیا ترقی کے معنی یہی ہیں کہ عورت دمک چمک کے ساتھ اپنی خوبصورتی اور حسن کی نمائش کرتی ہوئی باہر نکلے اور بیسیوں ہوسناک نگاہیں اس کا تعاقب کریں؟ اور کیا ترقی اسی کو کہتے ہیں کہ عورت کو فریب دیکر اسے کولہو کا بیل بنا دیا جائے۔ اس کے ذمہ گھر کی ذمہ داریاں بھی کی جائیں، بچوں کی

نگہداشت بھی کی جائے اور پھر شمعِ محفل بنا کر مردوں کے دل بہلانے کا بھی کام لیا جائے؟

اگر ترقی کا یہی مفہوم متعین کرنا ہو تو مبارک ہو، ایسی ترقی ان ہی خواہانِ عورت کو جنھوں نے اپنی عزت، وقار، شرم، حیا تمام چیزوں کے بدلے "تقلیدِ یورپ" کو خریدا ہے۔

آخری بات

ہم نے مختصر طور پر پردہ کی اہمیت کو عقلی طور پر ظاہر کیا ہے۔ یہ ایک بدیہی چیز ہے کہ اسلام کے احکام کے پابند مسلمان ہی ہو سکتے ہیں، اغیار کو اس کی کیا پروا کہ قرآن کیا کہتا ہے اور حدیث میں کیا حکم ہے اور ایک مومن کے لیے یہی بات کافی ہے، کہ خداوند قدّوس نے اس بات کا حکم دیا اور اس بات سے روکا ہے۔ اسی طرح رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اس لئے ہمارے لئے اس پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ سرکارِ دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک مومن کو اپنے باپ بھائی، ماں بہن، بیوی حتیٰ کہ خود اپنی جان سے زیادہ

ہم سے محبّت نہ ہو' اور جس شخص میں یہ بات پیدا ہو گئی پھر ممکن نہیں کہ وہ اپنے محبوب کا حوالہ سن کر بھی کسی دلیل کی ضرورت محسوس کرے۔

مگر آج کا مسلمان جو نام کا تو مسلمان ہے مگر اسے مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں ہے وہ تو ہر چیز میں اپنی سطحی عقل سے کام نکالنے کی کوشش کرتا ہے اور پھر کسی بات کو اس کی ناقص عقل تسلیم کر لیتی ہے تو وہ تسلیم کر لیتا ہے ورنہ اس سے انکار کرنے میں اسے ذرا بھی تامل نہیں ہوتا چاہے وہ دینی اعتبار سے اس پر فرض ہی کیوں نہ ہو،

اسی طرح منہیات کا معاملہ ہے کہ دین و مذہب نے چاہے کسی بات کو حرام ہی کیوں نہ قرار دیا ہو مگر اس کی عقل کوتاہ اگر فیصلہ کر دیتی ہے کہ اس پر عمل کرنا چاہیئے تو اسے دینی غیرت کا ذرا بھی پاس نہیں ہوتا۔ اس سے کوئی بحث نہیں کہ اس کی عقل اس لائق ہے بھی کہ نہیں۔ بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے تو کوئی مبالغہ نہیں کہ معیارِ عقل اب تقلید یورپ ہے، بس اندھا دھند اہل یورپ کے پیچھے بھاگے جا رہے ہیں۔ اپنے وجود کو بھی اسی کے پیچھے کھو دیا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ لباس، وضع قطع ہر چیز پر انھیں کی چھاپ۔ ہی لباس جسے کل تک بہت شوق سے پہن رہے تھے، آج بیکار ہے اور اس کے دوسرے دن پھر وہی لباس سب سے بہتر ہے، یہ کیا ہے؟ اسے اندھی تقلید نہیں کہتے تو اور کیا ہے؟ کیا اسی کا نام عقل و فراست ہے؟ کیا اسی فہم و شعور پر ناز ہے؟ اور کیا ان ہی عقلوں کے ساتھ اسلامی تعلیمات سے انحراف کیا جا رہا ہے۔

شکایت دوسروں سے نہیں اپنوں سے ہے کہ آپ اس طرح اسلام کا نام لیکر

اسے کیوں بدنام کر رہے ہیں۔ خدارا ذرا سوچیے اور عقل صحیح سے کام لیجیے، پھر آپ کو پتہ چلے گا کہ اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟ اور ان کی ضرورت کیا ہے۔؟

درحقیقت اسلام کا دوسرا نام دین فطرت ہے۔ اسلامی تعلیمات میں کسی جگہ پر فطرت سے انحراف نہیں کیا گیا ہے، اس کی تعلیمات اپنے اندر گہرائی رکھتی ہیں اس کی باتیں اوچھی نہیں ہیں، جنھیں روز روز بدلنے کی ضرورت پڑے اس کی تعلیمات پر عمل کرنے والا قیامت تک دنیا کا سب سے زائد فائدہ مند شخص رہے گا۔

اگر آپ عقل صحیح سے کام لیں گے تو آپ اس لائق ہو جائیں گے کہ جب اغیار آپ سے سوال کریں گے کہ اسلام نے عورت کو کیا دیا؟ تو آپ جواب دیں گے کہ اسلام نے عورت کو آزادی دی، سکون دیا، حسنِ معاشرت کا سلیقہ سکھایا اور زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کے اصول سکھائے۔

لونا پرنٹنگ پریس نخاس لکھنؤ